اشاعت اسلام
کے
اسباب ڈاکٹر لیبان کی نظر میں

از جناب سید محبوب رضوی صاحب دار العلوم دیوبند

ڈاکٹر گستاؤ لیبان (G. Liban.) فرانس کا نہایت نامور مشہور فاضل مستشرق گزرا ہے اس نے فرانسیسی زبان میں عربوں کے تمدن و معاشرت پر (Civilizationdes Arabes) کے نام سے انیسویں صدی کے اواخر میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ ہندوستان کے مشہور علم دوست فاضل سید علی بلگرامی نے تمدن عرب کے عنوان سے اس کا اردو میں ترجمہ کیا ہے جو ۱۸۹۶ء میں آگرہ میں چھپا تھا اور دوسری مرتبہ ۱۹۳۶ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا ہے۔

ڈاکٹر لیبان کی یہ کتاب اسلامی لٹریچر میں نہایت مہتم بالشان گراں قدر اور معرکۃ الآرا تصنیف ہے فاضل مصنف نے مسلمانوں کے حالات، تہذیب تمدن، معاشرت اور عمارات و آثار قدیمہ کو بچشم خود دیکھا ہے اور عربوں کے طبعی خصائص، ظہور اسلام کی کیفیت، اشاعت اسلام کے اسباب و علل اسلامی سلطنت کی وسعت اور اس کے عروج و انحطاط غرضیکہ ایک ایک تاریخی، معاشرتی اور تمدنی واقعہ کو دیکھکر نہایت قابلیت کے ساتھ محققانہ و مورخانہ اور فلسفیانہ انداز میں اس پر بحث و نظر کر کے ایک غیر متعصبانہ رائے قائم کی ہے حصول مواد کے لئے لیبان نے عام مغربی مورخین کے برعکس ممالک عربیہ اور بالخصوص اندلس (Hispania.) کی سیاحت کر کے بچشم خود ان تمام چیزوں کو دیکھا ہے اور براہ راست

مواد حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔

لیبان نے سیاسی اور جنگی واقعات کا ذکر بہت ہی سرسری طور پر کیا ہے۔ اس کا اصل موضوع بحث مسلمانوں کی تہذیب و تمدن کو پیش کرتا ہے۔ اس کیلئے لیبان نے ہر قسم کی تصاویر بکثرت بہم پہنچائی ہیں اور ان کے ذریعہ سے تمدن کے خصائص الفاظ میں بیان کرنے کے بجائے مصور و مشکل بنا کر پیش کئے ہیں۔ ان تصاویر کے ذریعہ سے جو بات بیک نظر ذہن نشین ہو جاتی ہے وہ الفاظ کے ذریعہ سے بمشکل سمجھ میں آسکتی تھی۔

تمدنِ عرب چھ حصوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک حصہ میں متعدد ابواب ہیں اور ہر ایک باب میں کئی کئی فصلیں ہیں۔ قبلِ اسلام عرب کے جغرافیہ اور تاریخ سے ابتدا کی گئی ہے، بعثت قرون اولی اور مسلمانوں کے زمانۂ عروج اور عہدِ اقبال کے تمدن پر نہایت جامعیت کے ساتھ سیر حاصل تفصیلی مباحث کئے گئے ہیں اور پھر آخر میں بتلایا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے اسباب کیا ہیں اور یہ کہ مصنف کے زمانہ میں مسلمانوں کی حالت کیا تھی۔

تمدنِ عرب میں لیبان نے جا بجا اشاعتِ اسلام کے اسباب پر بھی بحث کی ہے اور اس بارے میں اس نے جو رائے قائم کی ہے وہ اُس رائے سے بالکل مختلف اور جداگانہ ہے جو یورپ کے مصنفین بالعموم ازراہِ تعصب و تنگ نظری بیان کرتے ہیں۔ ڈاکٹر لیبان نے واضح طور پر اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اشاعتِ اسلام کے متعلق یورپ کے مصنف جو کچھ سمجھتے اور بیان کرتے ہیں وہ قطعاً صحیح نہیں ہے۔ اس کی نسبت لیبان نے تمدن عرب کے مختلف مقامات پر اپنے جن تاثرات کا اظہار کیا ہے۔ ذیل میں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، تاریخ کے ان حقائق سے آپ کو فی الجملہ اندازہ ہو سکے گا کہ وہ کیا اسباب تھے جن کی بدولت اسلام صرف ایک صدی میں دنیا کا ایک عالمگیر مذہب بن گیا تھا اور دنیا کی جو قومیں گروہ در گروہ ———

وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا ہ — اور تونے لوگوں کو اللہ کے دین میں جوق در جوق داخل ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔

کی تعبیر بن کر اسلام میں داخل ہوئیں۔ اُن کے جذب و کشش کا سبب کیا تھا اور پھر ان اقوام عالم کے عادات و معتقدات، اوضاع و رسوم اور فکر و نظر پر اسلام کا جو مخصوص اثر مرتب ہوا وہ دنیا کی تاریخ میں کتنا گہرا اور پائیدار ثابت ہوا۔ یہ واقعہ ہے کہ جب بھی کسی شخص نے ذہنی تعصبات سے بالاتر ہو کر سکون خاطر کے ساتھ اسلام کی تاریخ کا بے لاگ مطالعہ کیا ہے وہ اسی نتیجہ پر پہنچا ہے جو لیبان کے پیش کردہ نتائج ہیں۔ موسیو لیبان نے اسلامی تاریخ کے جن واقعات سے یہ نتائج استخراج کئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

• بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے، یہ سلوک اُس معاملہ کے مقابلہ میں جو صلیبیوں نے اسی شہر کے باشندوں کے ساتھ کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپ نے سفرونیس (Sophronius.) بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے۔ اُسی وقت حضرت عمرؓ[1] نے منادی

[1] جس منادی کے اعلان کا لیبان نے اس مقام پر حوالہ دیا ہے اُس معاہدہ کے الفاظ یہ ہیں:۔
"یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے بیت المقدس کے لوگوں کو دی ہے۔ اس امان کا تعلق ان کی جان و مال، کلیسہ، صلیب، تندرست اور بیمار اور تمام مذہب والوں کیلئے ہے۔ اس طرح پر کہ ان کی عبادت گاہوں میں نہ سکونت کی جائیگی نہ وہ منہدم کئے جائینگے حتی کہ اُن کے احاطہ وغیرہ کو بھی نقصان نہ پہنچایا جائیگا۔ ان کی صلیبوں اور مال میں کمی نہیں کی جائیگی۔ مذہب کے بارے میں بھی ان پر کوئی جبر نہ ہوگا۔ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں

کرادی کہ میں اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کی جان ومال اور ان کی عبادت گاہوں کا احترام کیا جائے گا اور مسلمان عیسائیوں کے گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔

جو سلوک عمرؓ (ابن عاص) نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ بھی اس سلوک سے کم نہ تھا انھوں نے باشندگانِ مصر سے وعدہ کیا کہ انھیں مذہب کی پوری آزادی، کامل انصاف اور جائیداد کی ملکیت کے مکمل حقوق بلا روک رعایت حاصل ہوں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود ٹیکسوں کے عوض میں جو شہنشاہانِ یونان ان سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایائے صوبجات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کر وہ فوراً عہد و پیمان میں شریک ہو گئے اور جزیہ کی رقم انھوں نے پیشگی ادا کردی۔ عمالِ اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے کہ انھوں نے اُس رعایا کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عمالوں کے ہاتھوں سے انواع و اقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بہ کشادہ پیشانی مذہب اسلام اور عربی زبان کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے جو ہرگز

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) پہنچایا جائے گا۔ بیت المقدس میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہنے پائیں گے۔ بیت المقدس کے لوگوں کا فرض ہوگا کہ وہ اطاعت کریں اور دوسرے شہروں کی طرح جزیہ دیں۔ یونانیوں کو شہر سے نکالدیں۔ یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان ومال کو اس وقت تک امن ہے جب تک وہ جائے پناہ میں نہ پہنچ جائے۔ لیکن جو یونانی بیت المقدس ہی میں رہنا چاہے اس کیلئے بھی امن ہے البتہ اس کو جزیہ دینا ہوگا۔ بیت المقدس کے لوگوں میں سے جو شخص یونانیوں کے ساتھ جانا چاہے تو وہ جا سکتا ہے جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا، رسول اللہ، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں اس معاہدہ پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں۔ ۱۵ھ میں لکھا گیا۔ (ملاحظہ ہو تاریخ طبری فتح بیت المقدس)

بزورِ شمشیر حاصل نہیں ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ (ص ۱۳۲-۱۳۳)

عربوں سے پہلے مصریوں نے ایک ہی مرتبہ اپنے مذہب کو بدلا تھا اور وہ اس زمانہ میں جبکہ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں نے ملک میں غارت گری برپا کی تھی اور تمام پرانی یادگاروں کو برباد اور منہدم کر دیا تھا۔ اور پرانے مصری معبودوں کی پرستش کو ایسا جرم ٹھیرایا تھا جس کی سزا موت تھی مصریوں نے اس مذہب کو جو اس قدر جبر کے ساتھ شائع کیا جاتا تھا بادل ناخواستہ منظور تو کر لیا مگر قبول نہیں کیا تھا۔ اور آگے چل کر جس سرعت کے ساتھ انھوں نے عیسائی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس جابرانہ مذہب کا تسلط ان کے قلوب پر کس درجہ کمزور تھا۔

جو اثر عربوں نے مصر پر ڈالا وہی انھوں نے افریقہ، شام، ایران وغیرہ دوسرے ممالک مفتوحہ میں بھی پھیلایا۔ ان کا تسلط نہ فقط ہندوستان تک پہنچا جہاں سے وہ محض گذر گئے تھے بلکہ چین تک بھی پھیل گیا جہاں صرف اُن کے تاجروں کا گزر ہوا تھا۔

ممالک شرقیہ پر بہت سی اقوام نے تسلط حاصل کیا، ایرانیوں، یونانیوں اور رومیوں وغیرہ نے وقتاً فوقتاً حکومت کی اگرچہ ان اقوام کا سیاسی تسلط ہمیشہ قوی رہا مگر ان کا تمدنی اثر عموماً بہت ہی خفیف تھا، باستثنا اُن شہروں کے جن میں وہ قائم ہوئے وہ نہ اپنے مذہب کو جاری کر سکے نہ اپنی زبان کو نہ اپنے فنون حرفت کو۔ مصر کا ملک، خاندان بطلیموسیا و رومیوں دونوں کے وقت میں اپنی اُسی قدیم حالت پر قائم رہا اور یہاں خود فاتحین نے اپنی مفتوحہ قوم کی زبان، مذہب اور طرز تعمیر اختیار کر لیا۔ وہ عمارات جن کو سلاطین بطلیموسیہ نے بنایا اور جن کی رومی قیصروں نے تجدید کی ہمیشہ فراعنۂ مصر کے طرز پر تعمیر ہوتی رہیں جس نتیجہ کو یونانی، ایرانی، اور رومی مشرق

میں حاصل نہ کرسکے تھے وہ عربوں نے نہایت سرعت کے ساتھ اور بلاجبر حاصل کرلیا۔ بظاہر مصر وہ ملک معلوم ہوتا تھا جس میں ایک غیر قوم کے خیالات کا قائم ہوجانا نہایت دشوار تھا۔ تاہم عمروؓ (ابن عاص) کی فتح سے ایک صدی کے اندر ہی مصر کا ملک اپنے سات ہزار برس کے تمدن کو بھول گیا اور اس نے ایک نیا مذہب، نئی زبان اور نئی صنعت اس استحکام کے ساتھ اختیار کرلی کہ یہ چیزیں ان ملک گیروں کے بعد بھی جنھوں نے ان کو جاری کیا تھا قائم اور باقی رہیں۔

تاریخ عالم میں کسی قوم کے اثرات کی اس سے زیادہ، صاف اور صریح مثال موجود نہیں ہے کل اُن اقوام نے جن سے عربوں کو کام پڑا خواہ وہ چند روز کے لئے ہی کیوں نہ ہو ان کے تمدن کو قبول کرلیا اور جب وہ صفحۂ روزگار پر سے گذر گئے تو خود ان کے فاتحین نے جو ترک و مغل وغیرہ تھے اُن کے تمدن کو اختیار کرلیا اور دنیا میں اس کی اشاعت کے حامی و سرپرست بن گئے۔ کئی صدی سے تمدنِ عرب مرچکا ہے لیکن اس وقت بھی بحر اٹلانٹک سے لیکر دریائے سندھ تک اور بحر متوسط سے ریگستان اور افریقہ تک ایک ہی مذہب اور ایک ہی زبان جاری ہے اور یہ مذہب اور یہ زبان پیغمبر اسلام کا مذہب اور زبان ہے۔ (ص ۵۱۰ لغایۃ ۵۱۲)

ممکن تھا کہ عربوں کی ابتدائی کامیابیاں اُنھیں اندھا کردیتیں اور ان کے ہاتھوں سے معمولی فاتحین کی زیادتیاں کراتیں اور مفتوحہ اقوام پر سختی اور ان کو بزورِ شمشیر اس مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کردیا جاتا جسے دنیا میں پھیلانا ان کا اصلی مقصود تھا اگر وہ ایسا کرتے تو کل وہ اقوام جو اس وقت تک مفتوح نہ ہوئی تھیں اُن سے لڑنے کو کھڑی ہوجاتیں۔ عربوں نے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنے آپ کو اُس خطرناک گرداب سے بچایا جس میں جنگ صلیبی والے کئی صدی بعد شام کی فوج کشی کے وقت گھر گئے تھے۔ اس خوش تدبیری کی بدولت جو نئے مذہب والوں میں کم ہوتی ہے خلفائے راشدین نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ مذہب اور نظاماتِ تمدن بزور

شمشیر جاری نہیں ہوسکتے اور ہم نے دیکھا ہے کہ وہ جہاں کہیں گئے انھوں نے مفتوحہ اقوام کے ساتھ نہایت ملائمت کا سلوک کیا اور ان کو قانون، نظامات اور مذہب کی پوری پوری آزادی دی اور اس امن وامان کے بدلے جس کی انھوں نے اپنے اوپر ذمہ داری لی اُن سے ایک خفیف محصول لیا جو مقدار میں اس محصول سے کم تھا جو وہ پہلے دیتے تھے۔ دنیا میں کبھی ایسے متحمل اور روادار ملک گیر پیدا نہیں ہوئے اور نہ ایسا نرم اور مہربان کوئی مذہب ہوا ہے۔ (ص ۵۴۴)

مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب کی پابندی میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اگر مسیحی اقوام نے اپنے فاتحین کے مذہب کو قبول کرلیا اور بالآخران کی زبان کو بھی اختیار کرلیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انھوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں وہ اس وقت تھے بہت زیادہ منصف پایا، نیز اُن کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ پایا۔ پیغمبر اسلام نے دوسرے مذہب والوں اور علی الخصوص یہود ونصاریٰ سے بے انتہا رواداری برتی ہے۔ یہ اس قسم کی رواداری ہے جو اور مذاہب کے بانیوں میں شاذ ہے اور ہم آگے چل کر دکھائیں گے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ان احکام کی پابندی آپ کے جانشینوں نے کس درجہ کی ہے۔ کل ان مسلم اور غیر مسلم مورخین نے جنھوں نے عربوں کی تاریخ کو بغور پڑھا ہے اس رواداری کا اعتراف کیا ہے۔ مندرجہ ذیل اقوال سے جن کو ہم نقل کرتے ہیں (اور جن کے مثل اور بھی بہت سے اقوال موجود ہیں) معلوم ہوگا کہ ہماری یہ رائے صرف ایک ذاتی رائے نہیں ہے۔ رابرٹسن اپنی تاریخ چارلس پنجم میں لکھتا ہے کہ وہ مسلمان ہی تھے جن میں اشاعت مذہب کے جوش کے ساتھ رواداری ملی ہوئی تھی۔ ایک طرف وہ اپنے پیغمبر کے دین کو بزور شمشیر پھیلاتے تھے اور دوسری طرف ان اشخاص کو جو اُسے قبول نہیں کرتے تھے اپنے اصلی ادیان پر قائم رہنے دیتے تھے۔

میشو (Mechow) اپنی تاریخ جنگ صلیبی میں لکھتا ہے کہ احکام قرآنی جو مذہب کے

دفاع میں تلوار سے لڑنا سکھاتے ہیں جملہ دینوں سے نہایت رواداری برتتے ہیں۔ ان احکام کی رو سے بطریقوں، راہبوں اور اُن کے ملازموں کو "جزیہ" معاف ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیرؤں کو خاص راہبوں کے قتل کرنے سے ممانعت فرمائی ہے کیونکہ یہ لوگ نماز پڑھنے والے تھے۔ جس وقت حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کو فتح کیا تو انھوں نے عیسائیوں کو مطلق نہیں ستایا برخلاف اس کے جب صلیبیوں نے اس مقدس شہر کو فتح کیا تو انھوں نے نہایت بے رحمی سے مسلمانوں کا قتل عام کیا اور یہودیوں کو جلادیا۔"

یہی مصنف اپنی دوسری کتاب سفر مشرق میں لکھتا ہے کہ عیسائیوں کے لئے نہایت افسوس کی بات ہے کہ مذہبی رواداری جو مختلف اقوام میں ایک بڑا قانون مروت ہے، ان کو مسلمانوں نے تعلیم کی ہے۔ یہ بھی ایک ثواب کا کام ہے کہ انسان دوسرے مذہب کی عزت کرے

مسلمانوں کا عروج و زوال

(طبع دوم)

اس کتاب میں اولاً خلافتِ راشدہ اس کے بعد مسلمانوں کی دوسری مختلف حکومتوں، ان کی سیاسی حکمت عملیوں اور مختلف دوروں میں مسلمانوں کے عام اجتماعی اور معاشرتی احوال و واقعات پر تبصرہ کرکے ان اسباب و عوامل کا تجزیہ کیا گیا ہے جو مسلمانوں کے غیر معمولی عروج اور اس کے بعد ان کے حیرت انگیز انحطاط و زوال میں مؤثر ہوئے ہیں طبع ثانی جس میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا ہے خصوصاً کتاب کے آخری حصے کی ترتیب بالکل بدل گئی ہے۔

انہی غیر معمولی اضافوں اور مباحث کی تفصیل کی وجہ سے اس کے جدید ایڈیشن کو مطبوعات ۱۹۴۲ء کی فہرست میں رکھا گیا ہے اور اس کو ایک جدید کتاب کی حیثیت دی گئی ہے۔ بڑی تقطیع ضخامت ۴۴۳ صفحات قیمت مجلد پانچ روپے۔ قیمت غیر مجلد چار روپے۔